محبت ایسا دریا ہے

امجد اسلام امجد

محبّت کی ایک نظم

اگر کبھی میری یاد آئے

تو چاند راتوں کی نرم دل گیر روشنی میں

کسی ستارے کو دیکھ لینا

اگر وہ نخلِ فلک سے اُڑ کر تمھارے قدموں میں آگرے تو

وہ اپنی ہستی نہ بھول جائے!

محبت ایسا دریا ہے

امجد اسلام امجد

رابطہ کے لئے۔

جہانگیر بک ڈپو، 257 ریواز گارڈن لاہور

آپ کے مشورے اور شکایات کے لئے۔

ای میل : jbdsales@wol.net.pk

اشاعت : 2004ء

سرورق : JBD آرٹ سیکشن، لاہور

لے آؤٹ: فواز نیاز

ڈیزائن : عمران احمد ، پینٹنگ: کمال احمد

قیمت : -/200 روپے

ناشر: عدیل نیاز، آفس: 257 ریواز گارڈن، لاہور۔ فون: 042-7213318
فیکس: 042-7213319 ای میل: jbdsales@wol.net.pk سیلز ڈپو: اردو بازار، لاہور
فون: 042-7220879 سیلز ڈپو: اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-7765086 سیلز ڈپو: اقبال روڈ
نزد کمیٹی چوک، راولپنڈی۔ فون: 051-5539609 سیلز ڈپو: نزد یونیفارم سنٹر جامع مسجد صدر، رسالہ
روڈ حیدرآباد۔ فون: 0303-6217098 سیلز ڈپو: بوہڑ گیٹ، ملتان۔ فون: 061-781781

نیاز جہانگیر پرنٹرز، غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور نے پرنٹ کی۔ فون: 042-7314319

انتساب

نئی نسل کے خوبصورت شاعروں

سعود عثمانی، شوکت فہمی، اسلم کولسری، زاھد

فخری، نوشی گیلانی، قمر رضا شہزاد، سید وصی

شاہ اور فیصل ھاشمی کے نام

جن کے ہونے سے اُردو شاعری کا مستقبل روشن

نظر آتا ھے۔
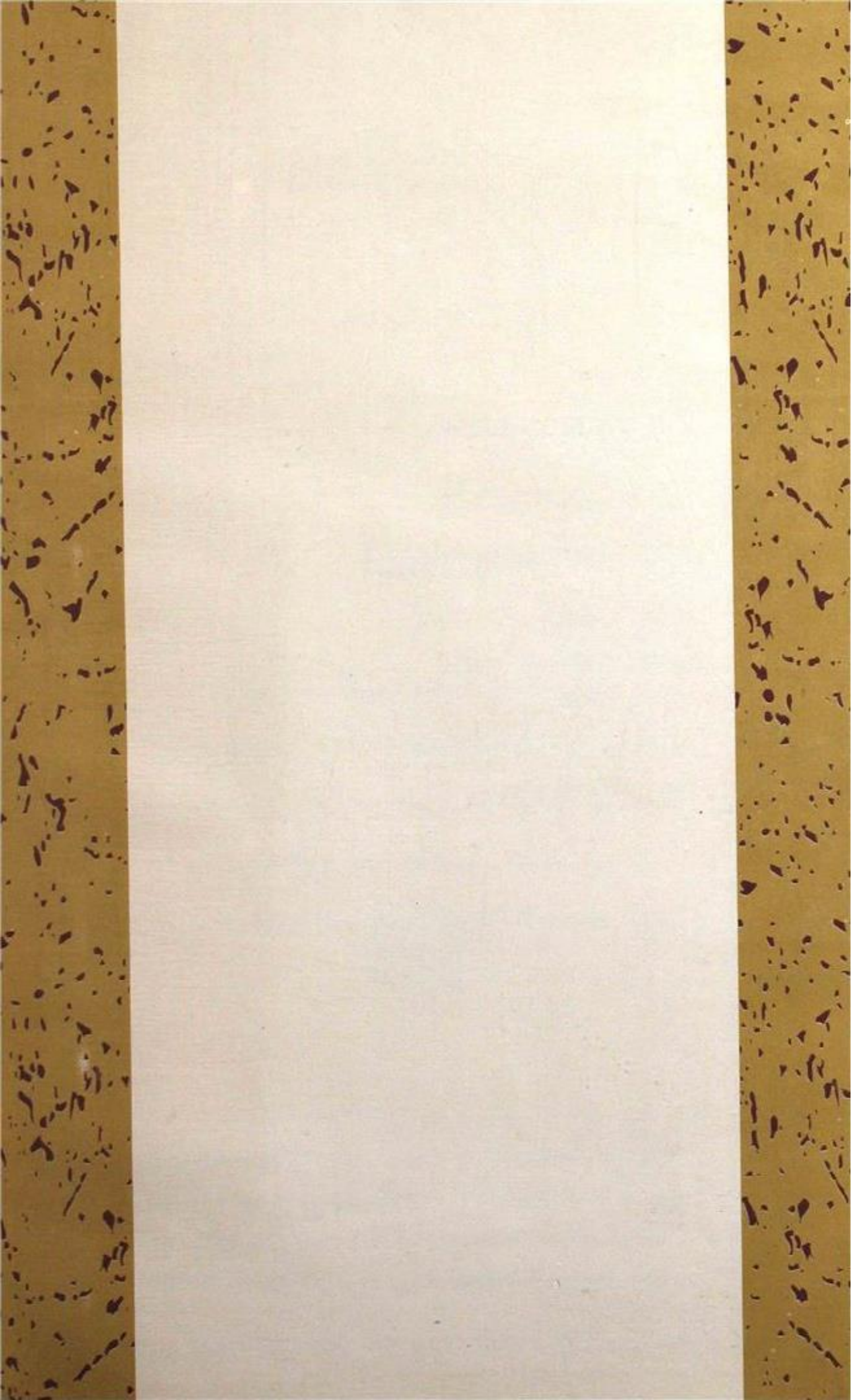
پیش لفظ
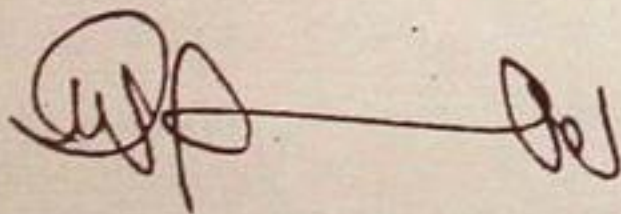
"جہانگیر بک ڈپو" کے برادران نبیل، فواز اور عدیل
کے پاس آئیڈیاز کی کمی نہیں، چنانچہ وہ شاعری
کی کتابوں کو قارئین کی نئی نسل تک پہنچانے
کے لئے خصوصی اہتمام کرتے رہتے ہیں۔ گذشتہ
دنوں انہوں نے "ویلنٹائن ڈے" کے حوالے سے نوشی
گیلانی کا مرتب کردہ ایک شعری انتخاب شائع
کیا اور اب میری نظموں سے "محبت کی نظموں"
کا ایک انتخاب ترتیب دے رہے ہیں جو اس وقت آپ
کے ہاتھوں میں ہے۔
قدرے فلسفیانہ انداز میں دیکھا جائے تو یہ جو کچھ
ہمارے ارد گرد ہے اور جن چیزوں سے زندگی
عبارت ہے اُس کا احساس "محبت" کا جذبہ ہی تو
ہے، یعنی "جو بھی کچھ ہے محبت کا پھیلاؤ ہے"
ان نظموں میں آپ "محبت" کے بہت سے روپ
دیکھیں گے، ایسی نظمیں بھی ہیں جو نوجوان
دلوں کو فوری طور پر متوجہ کرتی ہیں اور ایسے
پہلو بھی ہیں جو بہت کچھ سوچنے پر بھی مجبور
کرتے ہیں۔ "باز گشت" "جدائی کی پانچویں
سالگرہ" اور "محبت کی ایک نظم" کے ٹین ایج
رومان سے اس رشتے کے ایک نازک اور میچور mature
رنگ "تمہیں مجھ سے محبت ہے" تک کا سفر اس

کہانی کا ایک حصہ ہے اور "یہ جو ریگ دشت فراق ہے" "تینتیس برس پہلے" اور "معجزہ" جیسی نظمیں ہیں یہ اس تصویر کے ایک اور رخ کی نشاندھی کرتی ہیں۔

مجھے امید ہے کہ اس "انتخاب" کے ذریعے آپ "محبت" کی بے شمار ایسی کیفیات سے متعارف ہو سکیں گے جو آپ کو آپ کی اپنی ہی داستان کا حصہ محسوس ہوں گی کہ شاعر اور قاری ایک ہی دنیا میں اور ایک دوسرے میں زندہ رہتے ہیں اور جہاں تک "زمانے" اور "تجربے" کا تعلق ہے اس کا قصہ کچھ یوں ہے کہ

"ازل سے ایک منظر ہے
فقط آنکھیں بدلتی ہیں"

آئیے دیکھتے ہیں کہ میری آنکھوں نے اس "منظر" کے کن کن رنگوں کو محسوس اور محفوظ کیا ہے۔

۱۴ مئی ۲۰۰۴ء

ترتیب

میں نے دیکھا اُسے

میں نے دیکھا اُسے ،
اجنبی سی کسی ایک محفل میں ، میری طرح
وہ بھی ہونٹوں پہ اک بے اِرادہ تبسم سجائے ہُوئے
ایک کونے میں بیٹھی کبھی اپنے ناخن ،
کبھی سامنے نیم خالی پڑے جامِ مشروب کو
اور کبھی میز کی آڑ میں
اپنی نازک کلائی پہ باندھی ہُوئی وہ گھڑی دیکھتی تھی
جسے آگے چل کر . . . . .

مگر یہ تو سب بعد کے واقعے ہیں
ابھی تو اُسے اِس تکلّف بھری اجنبی بزم میں
غالباً
میری موجودگی کی خبر، میرے ہونے کا احساس تک بھی نہ تھا!
میزباں تھا کوئی یا کوئی اور ہی مہرباں تھا!
کہ جس نے ہمیں ایک دُوجے کے نام
اور ان کے کناروں سے لپٹے ہُوئے کچھ حوالے بتائے
کِسے یہ خبر تھی کہ اُس سرسری سے تعارف کا وہ
ایک پَل، ایک ایسے تعلّق کی تمہید ہے
جو ہمارے لیے ......
مگر یہ بھی سب بعد کی بات ہے!

تو پھر یُوں ہُوا
اپنی اپنی اُداسی کی شالوں میں لپٹے ہُوئے، دیر تک
ہم وہیں ایک کونے میں بیٹھے رہے،
پھر کسی نے ڈِنر کے لیے سب کو آواز دی
اور جہاں تک مجُھے یاد پڑتا ہے، کھانا
بہت پُرتکلّف تھا اور میزبانوں
کے حُسنِ مدارات کے ساتھ اُن کے تموّل کا بھی ترجماں تھا، مگر
وہ کسی اور ہی سوچ میں دیر تک

اِک منقّش رکابی اُٹھائے ہُوئے ایستادہ رہی ،
میں نے اُس کے لیے
میز کے سامنے اِک جگہ سی بنائی اور اُس کی طرف
دوستانہ تبسّم سے دیکھا کہ وہ
آگے بڑھ کر رکابی میں کچُھ ڈال لے !
اُس نے آدابِ محفل میں لپٹی ہُوئی
مُسکراہٹ سے مُجھ کو نوازا مگر ، آگے آئی نہیں ،
ایک لمحے کو جب میری اُس کی نگاہیں ملیں
تو مجُھے یوں لگا ، جیسے وہ
اپنی اُن خُوشنما جھیل سی خواب آنکھوں میں
پھیلی اُداسی ، ... چھپاتے چھپاتے بہت تھک چُکی ہو

سُبز قہوے کے دَور اور اقبال بانو کی مسحور کُن
دِل نشیں گائیکی سے مہکتی ہُوئی اُس فضا میں وہ یُوں
بے تعلق سی بیٹھی رہی ، جیسے وہ اُس گھڑی ،
واں پہ تھی ہی نہیں

میں نے اُس سے کہا ، .....
او خُدا ! یہ تو پھر بعد کی بات ہے !
اُس گھڑی تو فقط مَیں نے چاہا کہ اُس سے کہوں
کچُھ کہوں ! اُس کو بتلاؤں

"اے اجنبی ہم نشیں
اس اُداسی کو کچھ دیر کے واسطے بھول جا، مُسکرا
دیکھ، دُنیا میں غم کے سوا بھی بہت کچھ ہے، آنکھیں
فقط آنسوؤں کے لیے ہی نہیں، خواب بھی
ان کی جاگیر ہیں!
دیکھ میری طرف!
مُجھ سے بھی زندگی نے ہمیشہ رقیبوں سا ہی
ایک رشتہ رکھا
میں نے بھی آج تک اپنے خوابوں کی تعبیر دیکھی نہیں
سنگ و خشتِ تمنّا چُنے ہیں سدا
بخدا، کوئی تعمیر دیکھی نہیں!"

رات ڈھلنے لگی،
اور آہستہ آہستہ کمرے سے مہمان گھٹنے لگے،
میزبانوں کے ہونٹوں کے لفظ
الوداعی تبسّم کی یکسانیت میں بکھرتے ہُوئے
اپنی گرمی سے محروم ہوتے گئے
اور باہر سے آتے ہُوئے شور کی
دُور ہوتی صداؤں کے ہنگام میں
میزبانوں سے کچھ بات کرتے ہُوئے
اُس نے دیکھا مجھے۔ اُس کے ہونٹوں کے کونے ذرا کپکپائے

وہ جیسے کسی نیند میں مُسکرائی ،
چلی ، پھر رُکی — رُک کے دیکھا مجھے !

ہاں یہی وہ نظر تھی
یہی وہ مقدر بداماں نظر تھی
جو میرے لیے ، صرف میرے لیے تھی
کہ جس میں اُلجھ کر
مری زندگی کی ،
مرے آنے والے شب و روز کی
اور مرے سارے خوابوں کی منزل نہاں تھی
زمان و مکان کے سبھی فاصلے
ایک پَل کے لیے بے نشاں ہو گئے
اُسی اِک نظر میں دُھواں ہو گئے
پھر نہ میں تھا کہیں اور نہ کچھ اور تھا
بس اَزل تا اَبد ایک خوشبو رواں تھی
فقط وہ — وہاں تھی !

کسی خوش نگاہ سی آنکھ نے .....

کسی خوش نگاہ سی آنکھ نے یہ کمال مجھ پہ کرم کیا
مری لوحِ جاں پہ رقم کیا
وہ جو ایک چاند سا حرف تھا وہ جو ایک شام سا نام تھا
وہ جو ایک پھول سی بات پھرتی تھی دربدر
اُسے گلستاں کا پتا دیا
مرا دل کہ شہرِ ملال تھا اُسے روشنی میں بسا دیا
مری آنکھ اور مرے خواب کو کسی ایک پل میں بہم کیا۔
مرے آئنوں پہ جو گرد تھی مہ و سال کی
وہ اُتر گئی
وہ جو دُھند تھی مرے چار سُو وہ بکھر گئی
سبھی رُوپ عکسِ جمال کے
سبھی خواب شامِ وصال کے

جو غبارِ وقت میں سر بسر تھے اَٹے ہُوئے
وہ چمک اُٹھے
وہ جو پھُول راہ کی دُھول تھے، وہ مہک اُٹھے
لیے سات رنگ بہار کے
چلا میں جو سنگ بہار کے!
تو سجا دیئے سبھی راستے،
کِسی دستِ شعبدہ ساز نے
مِرے نام پر، مِرے واسطے

مِری بے گھری کو پناہ دی، مِری جستجو کو نشاں دیا
جو یقین سے بھی حسین ہے مجھے ایک ایسا گماں دیا

وہ جو ریزہ ریزہ وجُود تھا
اُسے ایک نظر میں بہم کیا
کسی خُوش نگاہ سی آنکھ نے
یہ کمال مجھ پہ کرم کیا!!

تمھیں مجھ سے محبّت ہے

محبّت کی طبیعت میں یہ کیسا بچپنا قُدرت نے رکھا ہے
کہ یہ جتنی پرانی جتنی بھی مضبوط ہو جائے
اِسے تائیدِ تازہ کی ضرورت پھر بھی رہتی ہے

یقیں کی آخری حد تک دِلوں میں لہلہاتی ہو!
نگاہوں سے ٹپکتی ہو، لہُو میں جگمگاتی ہو!
ہزاروں طرح کے دلکش، حسیں ہالے بناتی ہو!
اِسے اظہار کے لفظوں کی حاجت پھر بھی رہتی ہے

محبت مانگتی ہے یوں گواہی اپنے ہونے کی
کہ جیسے طفلِ سادہ شام کو اِک بیج بوئے
اور شب میں بارہا اُٹھے
زمیں کو کھود کر دیکھے کہ پودا اب کہاں تک ہے !
محبت کی طبیعت میں عجب تکرار کی خُو ہے
کہ یہ اقرار کے لفظوں کو سُننے سے نہیں تھکتی
بچھڑنے کی گھڑی ہو یا کوئی ملنے کی ساعت ہو
اسے بس ایک ہی دُھن ہے
کہو ــــ "مجھ سے محبت ہے"
کہو ــــ "مجھ سے محبت ہے"

تُمھیں مُجھ سے محبت ہے
سمندر سے کہیں گہری، ستاروں سے سوا روشن
پہاڑوں کی طرح قائم، ہواؤں کی طرح دائم
زمیں سے آسماں تک جس قدر اچھے مناظر ہیں
محبت کے کنائے ہیں، وفا کے استعارے ہیں
ہمارے ہیں۔
ہمارے واسطے یہ چاندنی راتیں سنورتی ہیں
سُنہرا دن نکلتا ہے
محبت جس طرف جائے، زمانہ ساتھ چلتا ہے۔"

(۲)

کچھ ایسی بے سکونی ہے وفا کی سرزمینوں میں
کہ جو اہلِ محبّت کو سدا بے چین رکھتی ہے
کہ جیسے پھول میں خوشبو، کہ جیسے ہاتھ میں پارا
کہ جیسے شام کا تارا!
محبّت کرنے والوں کی سحر راتوں میں رہتی ہے،
گماں کے شاخچوں میں آشیاں بنتا ہے اُلفت کا!
یہ عینِ وصل میں بھی، ہجر کے خدشوں میں رہتی ہے،

محبّت کے مُسافر زندگی جب کاٹ چُکتے ہیں
تھکن کی کرچیاں چُنتے، وفا کی اجرکیں پہنے
سمے کی رہگزر کی آخری سرحد پہ رُکتے ہیں
تو کوئی ڈُوبتے سانسوں کی ڈوری تھام کر
دھیرے سے کہتا ہے،

"یہ سچ ہے نا ___!
ہماری زندگی اِک دُوسرے کے نام لکھّی تھی!
دُھندلکا سا جو آنکھوں کے قریب و دُور پھیلا ہے
اِسی کا نام چاہت ہے
تمھیں مُجھ سے محبّت تھی
تمھیں مُجھ سے محبّت ہے!!"

محبّت کی طبیعت میں
یہ کیسا بچپنا قدرت نے رکھّا ہے!

خوابوں کو باتیں کرنے دو

آنکھوں میں جو خواب ہیں اُن کو باتیں کرنے دو
ہونٹوں سے وہ لفظ کہو جو کاجل کہتا ہے
موسم جو سندیہ لایا اُس کو پڑھ تو لو
سُن تو لو وہ راز جو پیاسا ساحل کہتا ہے!

آتی جاتی لہروں سے کیا پُوچھ رہی ہے ریت؟
بادل کی دہلیز پہ تارے کیونکر بیٹھے ہیں!
جھرنوں نے اُس گیت کا مکھڑا کیسے یاد کیا!
جس کے ہر اک بول میں ہم تم باتیں کرتے ہیں

راہ گزر کا، موسم کا، ناں بارش کا محتاج
وہ دریا، جو ہر اک دل کے اندر بہتا ہے
کھا جاتا ہے ہر اک شعلہ وقت کا آتش دان
بس اِک نقش "محبّت" ہے جو باقی رہتا ہے
آنکھوں میں جو خواب ہیں اُن کو باتیں کرنے دو
ہونٹوں سے وہ لفظ کہو جو کاجل کہتا ہے!

یاد

اِس موسم میں جتنے پُھول کِھلیں گے
اُن میں تیری یاد کی خُوشبو ہر سُو روشن ہوگی
پتہ پتہ بھُولے بِسرے رنگوں کی تصویر بناتا گزرے گا
اِک یاد جگاتا گزرے گا

اِس موسم میں جتنے تارے آسمان پہ ظاہر ہوں گے
اُن میں تیری یاد کا پیکر، منظر منظر عُریاں ہوگا
تیری جھِل مِل یاد کا چہرا رُوپ دِکھاتا گزرے گا

اِس موسم میں

دل دُنیا میں جو بھی آہٹ ہوگی

اُس میں تیری یاد کا سایا گیت کی صُورت ڈھل جائے گا

شبنم سے آواز ملا کر کلیاں اُس کو دوہرائیں گی

تیری یاد کی سُن گُن لینے چاند مِرے گھر اُترے گا

آنکھیں پھُول بچھائیں گی

اپنی یاد کی خوشبو مجھ کو دان کرو اور اپنے دل میں آنے دو

یا میری جھولی کو بھر دو یا مجھ کو مَر جانے دو!!

دیکھو، جیسے، میری آنکھیں

یہ عُمر تمھاری ایسی ہے،
جب آسمان سے تارے توڑ کے لے آنا بھی
سچ مچ ممکن لگتا ہے!
شہر کا ہر آباد علاقہ
اپنا آنگن لگتا ہے
یوں لگتا ہے جیسے ہر دن
ہر اک منظر
تم سے اجازت لے کر اپنی شکل معیّن کرتا ہے!
جو چاہو وہ ہو جاتا ہے، جو سوچو، وہ ہو سکتا ہے!
لیکن اے اس کچّی عُمر کی بارش میں مستانہ پھرتی، چنچل لڑکی!
یہ بادل جو آج تمھاری چھت پر رُک کر تم سے باتیں کرتا ہے

اِک سایہ ہے،
تم سے پہلے اور تمہارے بعد کے ہر اک موسم میں یہ
ہر اک چھت پر ایسے ہی اور اسی طرح سے
دھوکے بانٹتا پھرتا ہے
صبحِ ازل سے شامِ ابد تک! ایک ہی کھیل اور ایک ہی منظر
دیکھنے والی آنکھوں کو ہر بار دکھایا جاتا ہے
اے سپنوں کی سیج پہ سونے جاگنے والی پیاری لڑکی!
تیرے خواب جئیں،
لیکن اِتنا دھیان میں رکھنا جیون کی اِس خواب سرا کے سارے منظر،
وقت کے قیدی ہوتے ہیں جو، اپنی رَو میں
ان کو ساتھ لیے جاتا ہے اور مہمیز کیے جاتا ہے
دیکھنے والی آنکھیں پیچھے رہ جاتی ہیں
دیکھو — جیسے — میری آنکھیں!!

تو چل اے موسمِ گریہ

تو چل اے موسمِ گریہ، پھر اَب کی بار بھی ہم ہی
تری اُنگلی پکڑتے ہیں تجھے گھر لے کے چلتے ہیں
وہاں ہر چیز ویسی ہے کوئی منظر نہیں بدلا
ترا کمرہ بھی ویسے ہی پڑا ہے، جس طرح تُو نے
اُسے دیکھا تھا، چھوڑا تھا
"ترے بستر کے پہلو میں رکھی اس میز پر اب بھی
دھرا ہے مگ وہ کافی کا
کہ جس کے خشک اور ٹوٹے کناروں پر
ابھی تک وسوسوں اور خواہشوں کی جھاگ کے دھبّے نمایاں ہیں

قلم ہے، جس کی نِب پر رَت جگوں کی روشنائی یوں لرزتی ہے
کہ جیسے سُوکھتے ہونٹوں پہ پپڑی جمنے لگتی ہے
وہ کاغذ ہیں
جو بے روتے ہُوئے کچھ آنسوؤں سے بھیگے رہتے ہیں
ترے چپّل بھی رکھے ہیں
کہ جن کے بے ثمر تلووں سے وہ سب خواب لپٹے ہیں
جو اِتنا روندے جانے پر بھی اَب تک سانس لیتے ہیں
ترے کپڑے،
جو غم کی بارشوں میں دُھل کے آئے تھے
مِری الماریوں کے ہینگروں میں اَب بھی لٹکے ہیں
دلاسوں کا وہ گیلا تولیہ
اور ہچکیوں کا اَدھ گھُلا صابن
چمکتے واش بیسن میں پڑے ہیں اور
ٹھنڈے گرم پانی کی وہ دونوں ٹونٹیاں اب تک
رواں ہیں تو جنھیں اُس دن
کسی جلدی میں چلتا چھوڑ آیا تھا
دریچے کی طرف دیوار پر لٹکی گھڑی
اب بھی، ہمیشہ کی طرح،
آدھا منٹ پیچھے ہی رہتی ہے
کلنڈر پر رُکی تاریخ نے پلکیں نہیں جھپکیں

اور اس کے ساتھ آویزاں !!
وہ اِک منظر،
وہ اِک تصویر جس میں وہ
مِرے شانے پہ سر رکھے مِرے پہلو میں بیٹھی ہے
مِری گردن اور اِس کے گیسوؤں کے پاس اِک تتلی
خوشی سے اُڑتی پھرتی ہے
کچھ ایسا سحر چھایا ہے
کہ دِل رُکتا، ہَوا چلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔"

مگر اے موسمِ گریہ،
اُسی ساعت
نجانے کِس طرف سے تُو چلا آیا
ہمارے بیچ سے گزُرا
ہمارے بیچ سے تُو اس طرح گزُرا
کہ جیسے دو مخالف راستوں کو کاٹتی سرحد
کہ جس کے ہر طرف بس دُوریوں کی گرد اڑتی ہے

اُسی اِک گرد کی تہہ سی
تجھے دروازے کی بیل ؔ پر جمی شاید نظر آئے
کوئی تصویر کے اندر کمی شاید نظر آئے

تمنّا سے بھری آنکھیں جو ہر دَم مُسکراتی تھیں
اب اُن آنکھوں کے کونوں میں نمی شاید نظر آئے!

BELL لہ

ہم سفر

تُمھارا نام کچھ ایسے مِرے ہونٹوں پہ کِھلتا ہے
اندھیری رات میں جیسے
اچانک چاند بادل کے کِسی کونے سے باہر جھانکتا ہے
اور سارے منظروں میں روشنی سی پھیل جاتی ہے
کلی جیسے، لرزتی اوس کے قطرے پہن کر مُسکراتی ہے
بدلتی رُت، کسی مانوس سی آہٹ کی ڈالی لے کے چلتی ہے
تو خوشبو باغ کی دیوار سے روکے نہیں رُکتی
اِسی خُوشبو کے دھاگے سے مِرا ہر چاک سِلتا ہے
تُمھارے نام کا تارا مِری سانسوں میں کِھلتا ہے

تمھیں میں دیکھتا ہوں جب سفر کی شام سے پہلے

کسی اُلجھی ہُوئی گمنام سی چِنتا کے جادُو میں !
کسی سوچے ہُوئے بے نام سے لمحے کی خوشبو میں !
کسی موسم کے دامن میں، کسی خواہش کے پہلو میں !
تو اِس خوش رنگ منظر میں تمھاری یاد کا رستہ
نجانے کس طرف سے پھُوٹتا ہے
اور پھر ایسے مری ہر راہ کے ہم راہ چلتا ہے
کہ آنکھوں میں ستاروں کی گزرگاہیں سی بنتی ہیں
دھنک کی کہکشائیں سی
تمُھارے نام کے اِن خوشنما حرفوں میں ڈھلتی ہیں
کہ جن کے لمس سے ہونٹوں پہ جگنو رقص کرتے ہیں
تمُھارے خواب کا رِشتہ مری نیندوں سے مِلتا ہے
تو دل آباد ہوتا ہے
مِرا ہر چاک سِلتا ہے
تمُھارے نام کا تارا مری راتوں میں کھِلتا ہے

تمھیں میں کس طرح دیکھوں!

دریچہ ہے دھنک کا اور اِک بادل کی چلمن ہے
اور اس چِلمن کے پیچھے، چُھپ کے بیٹھے
کچُھ ستارے ہیں، ستاروں کی
نگاہوں میں عجب سی ایک اُلجھن ہے
وہ ہم کو دیکھتے ہیں اور پھر آپس میں کہتے ہیں
"یہ منظر آسماں کا تھا یہاں پر کِس طرح پہنچا!
زمیں زادوں کی قسمت میں یہ جنّت کِس طرح آئی؟"

ستاروں کی یہ حیرانی سمجھ میں آنے والی ہے
کہ ایسا دلنشیں منظر کِسی نے کم ہی دیکھا ہے
ہمارے درمیاں اِس وقت جو چاہت کا موسم ہے
اُسے لفظوں میں لکھیں تو کتابیں جگمگا اُٹھیں
جو سوچیں اِس کے بارے میں تو روحیں گنگنا اُٹھیں

یہ تم ہو میرے پہلو میں
کہ خوابِ زندگی تعبیر کی صورت میں آیا ہے ؟

یہ کھلتے پھول سا چہرا ،
جو اپنی مسکراہٹ سے جہاں میں روشنی کر دے
لہو میں تازگی بھر دے
بدن اِک ڈھیر ریشم کا
جو ہاتھوں میں نہیں رُکتا
انوکھی سی کوئی خوشبو کہ آنکھیں بند ہو جائیں
سخن کی جگمگاہٹ سے شگوفے پھوٹتے جائیں
چھپا کاجل بھری آنکھوں میں کوئی راز گہرا ہے
بہت نزدیک سے دیکھیں تو چیزیں پھیل جاتی ہیں
سو میرے چار سُو دو جھیل سی آنکھوں کا پہرا ہے
تمھیں میں کس طرح دیکھوں !!

محبّت کے موسم

محبّت کے موسم،
زمانے کے سب موسموں سے نرالے
بہار و خزاں ان کی سب سے جُدا
الگ ان کا سُوکھا، الگ ہے گھٹا
محبّت کے خطّے کی آب و ہوا
ماوراء، اُن عناصر سے جو
موسموں کے تغیّر کی بنیاد ہیں
یہ زمان و مکاں کے کم و بیش سے
ایسے آزاد ہیں

جیسے صبحِ ازل — جیسے شامِ فنا
شب و روزِ عالم کے احکام کو
یہ محبّت کے موسم نہیں مانتے!
زندگی کی مُسافت کے انجام کو
یہ محبّت کے موسم نہیں مانتے!
رفاقت کی خوشبو سے خالی ہو جو
یہ کوئی ایسا منظر نہیں دیکھتے،
وفا کے علاوہ کِسی کام کو
یہ محبّت کے موسم نہیں مانتے!

کوئی زنجیر ہو.....

کوئی زنجیر ہو ،
آہن کی ، چاندی کی ، روایت کی ،
محبّت توڑ سکتی ہے !

یہ ایسی ڈھال ہے جس پر
زمانے کی کسی تلوار کا لوہا نہیں چلتا !
یہ ایسا شہر ہے جس میں
کسی آمر، کسی سُلطان کا سِکّہ نہیں چلتا !
اگر چشمِ تماشا میں ذرا سی بھی ملاوٹ ہو !
یہ آئینہ نہیں چلتا

یہ ایسی آگ ہے جس میں

بدن شعلوں میں جلتے ہیں تو رُوحیں مُسکراتی ہیں

یہ وہ سیلاب ہے جس کو

دِلوں کی بستیاں آواز دے کر خُود بلاتی ہیں

یہ جب چاہے کسی بھی خواب کو تعبیر مل جائے

جو منظر بُجھ چکے ہیں اُن کو بھی تنویر مل جائے

دُعا، جو بے ٹھکانہ تھی، اُسے تاثیر مل جائے

کسی رستے میں رستہ پُوچھتی تقدیر مل جائے

محبّت روک سکتی ہے سمے کے تیز دھارے کو!

کسی جلتے شرارے کو، فنا کے استعارے کو!

محبّت روک سکتی ہے، کسی گرتے ستارے کو!

یہ چکنا چُور آئینے کے ریزے جوڑ سکتی ہے

جدھر چاہے یہ باگیں موسموں کی موڑ سکتی ہے

کوئی زنجیر ہو، اُس کو محبّت توڑ سکتی ہے

بے وفائی کی مشکلیں

جو تم نے ٹھان ہی لی ہے
ہمارے دل سے نکلو گے
تو اتنا جان لو پیارے
سمندر سامنے ہوگا اگر ساحل سے نکلو گے !
ستارے ، جن کی آنکھوں نے ہمیں اِک ساتھ دیکھا تھا ،
گواہی دینے آئیں گے !
پرانے کاغذوں کی بالکونی سے بہت سے لفظ جھانکیں گے
تمھیں واپس بُلائیں گے ،

کئی وعدے، فسادی قرض خواہوں کی طرح رستے میں روکیں گے
تمھیں دامن سے پکڑیں گے
تمھاری جان کھائیں گے!
چھپا کر کس طرح چہرہ
بھری محفل سے نکلو گے!

ذرا پھر سوچ لو جاناں،
نکل تو جاؤ گے شاید
مگر مشکل سے نکلو گے!

جانِ جاں کیا کریں ؟

جانِ جاں کیا کریں ؟
"جو مہ و سال گزُرے ہیں اُن کو نہ گزُرے ہُوئے فرض کرلیں
سمجھ لیں کہ موسم ابھی اپنے ہاتھوں سے نکلے نہیں
راستے، سُرخ پھُولوں سے مہکے ہُوئے ہیں
ہَوا، ساحلوں پر ہماری امانت سنبھالے ہُوئے
چل رہی ہے، ستارے
ہمیں دیکھ کر مُسکراتے ہیں
ہونٹوں پہ کھِلتے ہیں، آنکھوں میں سجتے ہیں
سانسوں میں چلتے ہُوئے جگمگاتے ہیں !
یہ فرض کرلیں،
کہ لفظوں کے معنی ابھی تک وہی ہیں

تمنّا کے انداز بدلے نہیں
جو شب و روز گزُرے ہیں ___ گزُرے نہیں"

(۲)

کیا کریں جانِ جاں
جو عبارت ہواؤں پہ تحریر ہے
فرض کیسے کریں!
یہ جو لمحوں کی اُلجھی سی زنجیر ہے
اس سے کیسے بچیں!
جو بھی کچھ ہو چکا ___ ہو چکا جانِ جاں،
جو شب و روز تیری مری زندگی کے کناروں کو چھُوتے ہوئے جا چکے
اُن کو ڈھونڈیں کہاں اور چھپائیں کہاں!
کیا کریں جانِ جاں ___!
نارسائی کے صحرا میں جو کٹ گئے
وقت کی لَوح پر اُن مہ و سال کا
ثانیہ ثانیہ ماجرا درج ہے!

گرد بادِ زماں کے خم و پیچ سے
راستہ کوئی باہر کو جاتا نہیں!
خواہشوں کے بچھائے ہُوئے جال میں

خواہشوں کے سِوا کچھ بھی آتا نہیں !
جانِ جاں کیا کریں !
کیا کریں جانِ جاں !!

چاند مِری کھڑکی میں آئے

چاند کبھی تو تاروں کی اِس بھیڑ سے نکلے
اور مِری کھڑکی میں آئے
بالکل تنہا اور اکیلا
میں اُس کو باہوں میں بھرلُوں
ایک ہی سانس میں سب کی سب وہ باتیں کرلوں
جو میرے تالُو سے چمٹی
دِل میں سِمٹی رہتی ہیں
سب کچھ ایسے ہی ہو جائے، جب ہے نا۔
چاند مِری کھڑکی میں آئے، تب ہے نا!

ہم کو ہے تیری نظر میں رہنا

خواب بھی ایک مُسافر کی طرح ہوتے ہیں
چشم در چشم سدا اِن کو سفر میں رہنا
رنگ کی موج میں، خوشبو کے اثر میں رہنا
ان کی عادت ہی نہیں
ایک جگہ پر رُکنا
ان کی قسمت ہی نہیں
ایک نگر میں رہنا

ہم بھی اِک خواب ہیں اے جان، تری آنکھوں میں
چند لمحوں کو جو ٹھہریں تو ہمیں
اپنی پلکوں کی اماں میں رکھنا
سایۂ ابرِ توجہ کے گماں میں رکھنا

دھیان کے طاق سے ہم کو نہ ہٹانا، جب تک
رات کے بام پہ تاروں کے دِیے جلتے رہیں
دیکھنا ہم کو، ہمیں دیکھتے جانا، جب تک
ہم تری آنکھ کی وادی میں سفر کرتے رہیں

خواب کا شوق یہی، خواب کی قسمت بھی یہی
حلقۂ ریگِ رواں، گردِ سفر میں رہنا
رنگ کی موج میں، خوشبو کے اثر میں رہنا

ہم مگر خواب ہیں کچھ اور طرح کے، ہم کو
نہ کوئی شوقِ سفر ہے نہ تلاشِ خوشبو
تیری آنکھوں میں جلیں اور انہی میں بُجھ جائیں
چشم در چشم نہیں ہم کو سفر میں رہنا!
ہم کو ہے تیری نظر میں رہنا!

بہت اچھّا بھی لگتا ہے

بہت اچھّا بھی لگتا ہے
اچانک اِس طرح دل کا دوبارہ مبتلا ہونا ،
محبّت آشنا ہونا ،

مگر جب دیکھتا ہوں
وقت کتنا جاچکا ہے
راستوں کی دُھول
قدموں اور سروں پر کس طرح سے جم چکی ہے
اور ہم تم
اپنی اپنی زندگی کے دائروں میں
اپنی اپنی گردشوں میں
اس طرحِ اُلجھے ہوئے ہیں

جس طرح دشتِ فلک میں ساتھ چلتے ،

دو ستارے

جو بظاہر پاس لگتے ہیں

مگر اُن کی رفاقت میں

کروڑوں میل کی تنہائی کا دریا بھی ہوتا ہے ،

" یہ دریا پار کیسے ہو

نہ تم ہو اُس کنارے پر

نہ ہم ہیں اس کنارے پر "

سو بہتر ہے

ہم اپنے اپنے دائروں کے اِس خلا میں گھومتے جائیں

ستاروں کی طرح

اِک ساتھ چمکیں اور دمکیں تو سہی لیکن

یہ اپنے بیچ میں جو فاصلوں کا سُرخ دریا ہے

اِسے تسلیم ہی کر لیں !

کہ اس بے پُل کے دریا میں

نہ تم ہی تیر سکتے ہو ، نہ ہم ہی تیر سکتے ہیں !

بہت اچھّا تو لگتا ہے
اچانک اِس طرح دِل کا محبّت آشنا ہونا
دوبارہ مبتلا ہونا۔

مکاں اور مکیں

اِتنی بڑی اِن دُنیاؤں میں
اپنے نام کی تختی والی، ایک عمارت
کتنے دُکھوں کی اینٹیں چُن کر گھر بنتی ہے

پتھر پتھر جوڑ کے دیکھو
میں نے بھی اک گھر ہے بنایا
رنگوں، پھولوں، تصویروں سے اس کو سجایا
دروازے کی لوح پہ اپنا نام لکھایا

لیکن اِس کے ہر کمرے میں تم رہتے ہو!

ذرا سی بات

زندگی کے میلے میں، خواہشوں کے ریلے میں
تم سے کیا کہیں جاناں، اِس قدر جھمیلے میں
وقت کی روانی ہے، بخت کی گرانی ہے
سخت بے زمینی ہے، سخت لامکانی ہے
ہجر کے سمندر میں
تخت اور تختے کی ایک ہی کہانی ہے
تم کو جو سُنانی ہے
بات گو ذرا سی ہے
بات عُمر بھر کی ہے
(عُمر بھر کی باتیں کب دو گھڑی میں ہوتی ہیں!
درد کے سمندر میں
اَن گنت جزیرے ہیں، بے شمار موتی ہیں)

آنکھ کے دریچے میں تم نے جو سجایا تھا
بات اُس دیئے کی ہے
بات اُس گلے کی ہے
جو لہو کی خلوت میں چور بن کے آتا ہے
لفظ کی فصیلوں پر ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے
زندگی سے لمبی ہے، بات رت جگے کی ہے
راستے میں کیسے ہو!
بات تخلئے کی ہے
تخلئے کی باتوں میں گفتگو اضافی ہے
پیار کرنے والوں کو اِک نگاہ کافی ہے
ہو سکے تو سُن جاؤ ایک دن اکیلے میں
تم سے کیا کہیں جاناں، اِس قدر جھمیلے میں

محبّت

محبّت اوس کی صُورت
پیاسی پنکھڑی کے ہونٹ کو سیراب کرتی ہے
گلوں کی آستینوں میں انوکھے رنگ بھرتی ہے
سحر کے جُھٹپٹے میں، گُنگناتی، مُسکراتی، جگمگاتی ہے
محبّت کے دنوں میں دشت بھی محسوس ہوتا ہے
کسی فردوس کی صُورت
محبّت اوس کی صُورت

محبت ابر کی صورت

دلوں کی سرزمیں پہ گھر کے آتی اور برستی ہے

چمن کا ذرہ ذرہ جھومتا ہے، مسکراتا ہے

ازل کی بے نمو مٹی میں سبزہ سر اٹھاتا ہے

محبت اُن کو بھی آباد اور شاداب کرتی ہے

جو دل ہیں قبر کی صورت

محبت ابر کی صورت!

محبت آگ کی صورت

بجھے سینوں میں جلتی ہے تو دل بیدار ہوتے ہیں

محبت کی تپش میں کچھ عجب اسرار ہوتے ہیں

کہ جتنا یہ بھڑکتی ہے، عروسِ جاں مہکتی ہے

دلوں کے ساحلوں پر جمع ہوتی اور بکھرتی ہے

محبت، جھاگ کی صورت

محبت، آگ کی صورت!

محبت خواب کی صورت،

نگاہوں میں اترتی ہے کسی مہتاب کی صورت

ستارے آرزو کے اس طرح سے جگمگاتے ہیں

کہ پہچانی نہیں جاتی دلِ بے تاب کی صورت!

محبت کے شجر پر خواب کے پنچھی اترتے ہیں

تو شاخیں جاگ اٹھتی ہیں

تھکے ہارے ستارے جب زمیں سے بات کرتے ہیں
تو کب کی منتظر آنکھوں میں
شمعیں جاگ اُٹھتی ہیں
محبّت اِن میں جلتی ہے چراغِ آب کی صُورت
محبّت، خواب کی صُورت!

محبّت دَرد کی صُورت!
گزشتہ موسموں کا استعارہ بن کے رہتی ہے
شبانِ ہجر میں، روشن ستارہ بن کے رہتی ہے
منڈیروں پر چراغوں کی لَویں جب تھرتھراتی ہیں
نگر میں نااُمیدی کی ہَوائیں سنسناتی ہیں
گلی میں جب کوئی آہٹ، کوئی سایہ نہیں رہتا
دُکھے دل کے لیے جب کوئی بھی دھوکا نہیں رہتا
غموں کے بوجھ سے جب ٹوٹنے لگتے ہیں شانے تو
یہ اُن پہ ہاتھ رکھتی ہے
کسی ہمدرد کی صُورت!
گزر جاتے ہیں سارے قافلے جب دل کی بستی سے
فضا میں تیرتی ہے دیر تک
یہ گرد کی صُورت،
محبّت، دَرد کی صُورت!

قاصد

خُوشبو کی پوشاک پہن کر
کون گلی میں آیا ہے !
کیسا یہ پیغام رساں ہے
کیا کیا خبریں لایا ہے !

کھڑکی کھول کے باہر دیکھو ،
موسم میرے دل کی باتیں ،تم سے کہنے آیا ہے

وقت بھی کتنا ظالم ہے

اِتنے برس کی دُوری اور مجبوری کے
افسونِ سفر میں لپٹا ہُوا
اِک شخص اچانک آن مِلا
میں اُس کو دیکھ کے ششدر تھا
وہ مُجھ سے سوا حیران مِلا!

{یہ وقت بھی کتنا ظالم ہے!
اِس ہجر میں کیا کیا روئے تھے ہم
اِس یاد میں کیا کیا کھوئے تھے ہم!}

کچھ دیر تو دونوں چُپ سے رہے ،
پھر اُس نے کہا ___ "تم کیسے ہو ؟"
اور میں نے کہا ___ "بس اچھا ہوں"

پھر اُس نے کہا ،
"یہ اتنے دِنوں کے بعد کا مِلنا خُوب رہا .... !
کوئی پرانا دوست ملے تو دل کو بھلا سا لگتا ہے ....
یہ شہر تو بالکل بدل گیا .... اب چلتی ہوں !"

پھر میں نے کہا ،
"میں شام سے ہر روز یہاں پر آتا ہوں .....
جب وقت ملے تم آجانا ...
اس وقت مجھے بھی جلدی ہے .... اب چلتا ہوں !"

یہ وقت بھی کتنا ظالم ہے !!!

تیرے دھیان کی تیز ہَوا

پَت جھڑ کی دہلیز پہ بکھرے
بے چہرا پتّوں کی صُورت
ہم کو ساتھ لیے پھرتی ہے
تیرے دھیان کی تیز ہَوا!

لوگ محبّت کرنے والے

چُپکے چُپکے جل جاتے ہیں
لوگ محبّت کرنے والے!
پُروا سنگ نِکل جاتے ہیں
لوگ محبّت کرنے والے!
آنکھوں آنکھوں چل پڑتے ہیں تاروں کی قندیل لیے
چاند کے ساتھ ہی ڈھل جاتے ہیں
لوگ محبّت کرنے والے!

دِل میں پھُول کھِلا دیتے ہیں

لوگ محبّت کرنے والے !

آگ میں راگ جگا دیتے ہیں

لوگ محبّت کرنے والے !

پانی بیچ بتاشہ صُورت خُود تو گھُلتے رہتے ہیں

سَم کو شہد بنا دیتے ہیں

لوگ محبّت کرنے والے !

خواب خُوشی کے بو جاتے ہیں

لوگ محبّت کرنے والے !

زخم دِلوں کے دھو جاتے ہیں

لوگ محبّت کرنے والے !

تتلی تتلی لہراتے ہیں پھُولوں کی اُمّید لیے

اِک دن خُوشبو ہو جاتے ہیں

لوگ محبّت کرنے والے !

بن جاتے ہیں نقش وفا کا

لوگ محبّت کرنے والے !

جھونکا ہیں بے چین ہَوا کا

لوگ محبّت کرنے والے !

جلی ہُوئی دھرتی پہ جیسے بادل گھر کر آئیں
بستی پر ہیں فضل خُدا کا
لوگ محبت کرنے والے!

ہر موسم کا سپنا

موسم موسم آنکھوں کو اِک سپنا یاد رہا
صدیاں جس میں سمٹ گئیں وہ لمحہ یاد رہا
قوسِ قزح کے رنگ تھے ساتوں اُسکے لہجے میں
ساری محفل بھُول گئی ، وہ چہرا یاد رہا

اے شام گواہی دے

بوسوں کی حلاوت سے جب ہونٹ سُلگتے ہوں
سانسوں کی تمازت سے جب چاند پگھلتے ہوں
اور ہاتھ کی دستک پر
جب بندِ قبا اُس کے، کھُلنے کو مچلتے ہوں!
عشق اور ہوس کے بیچ، کچُھ فرق نہیں رہتا
(کچھ فرق اگر ہے بھی، اُس وقت نہیں رہتا)
جب جسم کریں باتیں، دریا بھی نہیں بہتا
مَیں جھُوٹ نہیں کہتا
اے شام گواہی دے!!

کیا کبھی تم نے سوچا ہے

جب یُونہی بے ارادہ
کبھی باتیں کرتے
مرا ہاتھ اُس کے بدن پر کہیں چھُو سا جائے
تو لگتا ہے جیسے مری اُنگلیوں میں
یکایک بہت سے دیئے جل اُٹھے ہیں

کبھی یونہی جب
باتیں کرتے ہُوئے
ایک دَم رُک سے جائیں
اور اِک دُوسرے سے کہیں
"ہاں تو کیا بات تھی وہ .....
چند لمحے اُسے
یاد کرنے کی ناکام کوشش کریں اور پھر
اِس طرح ہنس پڑیں
جیسے باتوں کا مقصد
فقط ایک دُوجے کی قربت میں رہنا
اور اُس اجنبی بے تعارف سے لمحے کی آہٹ سے بچنا
ہو جس کے سبب، دل کی دھڑکن کبھی
ایڑیوں اور کبھی، سَر سے اِس طرح آتی ہے
جیسے یہیں اُس کا مسکن ہو، گھر ہو
یہیں اس کی منزل، یہیں رہگزر ہو —

(۲)

جانِ جاں، مَیں نے سوچا بہت ہے!
تمھاری قسم،
مَیں نے اُن سارے لمحوں کو، ژولیدہ لمحوں کے بکھرے ہُوئے
موتیوں کو

شب و روز کے بے ٹھکانہ تسلسل کی تسبیح میں
دانا دانا پرویا بہت ہے
(خود کو کھویا بہت ہے)
مگر جب بھی میں اس نشاطِ الم آفریں سے گزرتا . . . .
گزرنے کی کوشش یا تدبیر کرتا ہوں تو
ایک دیکھا ہُوا بے تعارف سا لمحہ
کوئی اجنبی سا خیال آ کے دامن پکڑتا ہے
مَیں یاد کرتا ہوں
مَیں یاد کرنے کی بھرپُور کوشش میں
ٹُوٹے ہوئے، ریزہ ریزہ بدن آئینے کی طرح
سارے عکسوں کو ترتیب دیتا ہوں پر
شکل بنتی نہیں
شکل بنتی نہیں اور ژولیدہ لمحوں کے آشوب میں یاد آتا نہیں
مُجھ کو کچھ ٹھیک سے یاد آتا نہیں
وہ تعلق مِری رُوح کا عطر تھا
یا فقط جسم کی
بے ٹھکانہ صدا تھی!
تُمھاری قسم، اُس سمے کی قسم
مُجھ کو کچھ ٹھیک سے یاد آتا نہیں!!

دن بہت جا چکے ہیں اور اب جانِ جاں
تم بھی میری طرح
زندگی کے سب اُس نوع کے تجربوں سے یقیناً گزر آئی ہو
جنھیں لوگ
گم گشتہ جنّت میں گیہوں کے دانے سے نکلی ہُوئی

داستاں کے حوالے سے تفسیر کرتے ہیں !
تمھیں بھی .....
(اور اس "تم" سے میں خُود کو منفی نہیں کر رہا)
ان حقائق پہ اور اُن کی تفسیر پر پُختہ ایمان ہو گا !
مگر جانِ جاں
کیا کبھی تم نے سوچا ہے
وہ لمس کیا تھا !'
جو پوروں میں تارے جگاتا ہُوا، مُسکراتا ہُوا
اَز ازل تا اَبد پھیلتا تھا
(پھیلتا تھا مگر کُچھ بتاتا نہ تھا۔ ہاتھ آتا نہ تھا)
اور چُپ کے وہ سب بے کنارا جزیرے
جو باتوں کے بے نام، گہرے سمندر
میں یوں ڈولتے تھے
کہ پُورے بدن میں بدن بولتے تھے
وہ کیا تھے !!!

اُن جھیل سی گہری آنکھوں میں

اُن جھیل سے گہری آنکھوں میں اِک شام کہیں آباد تو ہو!
اُس جھیل کنارے پَل دو پَل
اِک خواب کا نیلا پُھول کھِلے!

وہ پُھول بہا دیں لہروں میں
اِک روز کبھی ہم شام ڈھلے
اُس پُھول کے بہتے رنگوں میں
جس وقت لرزتا چاند چلے!

اُس وقت کہیں اُن آنکھوں میں اُس بسرے پَل کی یاد تو ہو!
اُن جھیل سے گہری آنکھوں میں اِک شام کہیں آباد تو ہو!
پھر چاہے عُمر سمندر کی
ہر موج پریشاں ہو جائے!
پھر چاہے آنکھ دریچے سے
ہر خواب گریزاں ہو جائے!
پھر چاہے پھُول کے چہرے کا
ہر درد نمایاں ہو جائے!

اُس جھیل کنارے پَل دو پَل وہ رُوپ نگر ایجاد تو ہو!
دن رات کے اِس آئینے سے وہ عکس کبھی آزاد تو ہو!
اُن جھیل سے گہری آنکھوں میں اِک شام کہیں آباد تو ہو!

سُنو پیارے

سُنو پیارے ،
محبت کرنے والوں کی نگاہیں بھی
ہَوا میں ڈولتی خوشبو کی صُورت منظروں میں
اپنے ہونے کی نشانی چھوڑتی ہیں
چاندنی راتوں میں جیسے
چاند کی کرنیں
سمندر کے بدن میں نغمگی آباد ہیں

محبّت کرنے والوں کے تعلق اور اُن کی دُوریاں سب سے
انوکھی ہیں

کہ جیسے بے خبر سُورج کے حلقے میں
اگرچہ اَن گنت تارے کئی سیّارگاں ہیں
اور پھر حلقہ بہ حلقہ اُن کے اپنے چاند ہیں لیکن
سبھی اِک رِشتۂ بے نام کی ڈوری میں ایسے مُنسلک ہیں
جس طرح عشّاق کی آنکھیں

سُنا ہے عورتیں تو
چاہنے والے کی خوشبو
بے کراں انبوہ میں پہچان لیتی ہیں
محبت کی نظر، ملنے سے پہلے جان لیتی ہیں،
مگر پیارے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ !

اَن کہا لفظ

جانِ مَن ،

کل سرِ گفتگو تیری ان خُوش نما

وحشی ہرنی سی آنکھوں کے ساحل پہ جو

اِک ستارا سا لرزا تھا

وہ رات بھر ،

یوں مرے جسم و جاں میں ترازو رہا

جیسے آنسو نہ تھا۔ نیم کش تیر تھا !

ایک زنجیر تھا

جس کا ہر حلقۂ آہنی

اِس قدر سرد اور مرگ تاثیر تھا

جیسے پھانسی کی شب

جیسے قاتل کا دل

جیسے خنجر کے لب!!

ہاں مری جان وہ قطرۂ شبنمیں

جو تری سرمہ سا

وحشی ہرنی سی آنکھوں میں اِک پل کو لرزا تھا

میرے لیے

جیسے کانٹوں میں اُلجھی ہوئی اِک صدی تھا

ایک ایسی ندی تھا

جو کوہِ الم سے سراسیمہ نکلے

اور افسوس کے دشتِ بے رنگ میں جذب ہو!

جانِ مَن، یُوں تو اِس کُرۂ ارض پر

سینکڑوں ہی زبانیں، کروڑوں ہی الفاظ ہیں

مگر ہر زباں میں فقط ایک ہی لفظ ہے

جو سدا معتبر ہے

اَزل کے تعلق کا پندار ہے — اُس کا معیار ہے

مَیں ترے سامنے اُس کو کیسے کہوں

یہ مری خامشی اُس کا اظہار ہے — !

ہاں سُنو جانِ من
زندگی کی طرح — آدمی بھی نہایت پُراسرار ہے
کہ جو دیکھو تو ہے
اور نہ دیکھو تو موجِ ہَوا کی طرح
ایک پَل میں اَزل، دُوسرے میں اَبد
جیسے خوابوں کی حد!
جیسے دل کی سند!

کل سرِ گفتگو تیری اِن بے صدا
وحشی ہرنی سی آنکھوں میں بھی ایک پَل کے لیے

جو ستارا سا چمکا تھا وہ اصل میں
کہکشاں میں پرویا ہُوا لفظ تھا
میرا صدیوں کا کھویا ہُوا لفظ تھا —

جانِ من!
کُرّۂ اَرض پر جس قدر بھی زبانیں اور الفاظ ہیں
اُن کے دامن میں اِس لفظِ بے صَوت سے
خُوبصورت کوئی استعارہ نہیں!

آسماں، آسماں،

اِس ستارے سے روشن ستارا نہیں!

یہ اَزل کے سمندر کی وہ مَوج ہے

جس کا حدِ اَبد بھی کنارا نہیں ــــ!!

یہ جو ریگِ دشتِ فراق ہے

یہ جو ریگِ دشتِ فراق ہے یہ رُکے اگر
یہ رُکے اگر تو نشاں ملے۔ یہ نشاں ملے
کہ جو فاصلوں کی صلیب ہے
یہ گڑی ہُوئی ہے کہاں کہاں!
مرے آسماں سے کدھر گئی ترے التفات کی کہکشاں
مرے بے خبر، مرے بے نشاں
یہ رُکے اگر تو پتہ چلے
میں تھا کس نگر تو رہا کہاں!

کہ زماں مکاں کی یہ وسعتیں
تجھے دیکھنے کو ترس گئیں
(وہ مِرے نصیب کی بارشیں
کسی اور چھت پہ برس گئیں!)
مِرے چار سُو ہے غبارِ جاں، وہ فشارِ جاں
کہ خبر نہیں مِرے ہاتھ کو مِرے ہاتھ کی
مِرے خواب سے ترے بام تک
تری رہگزر کا تو ذکر کیا
نہیں ضَوفشاں ترا نام تک!
ہیں دُھواں دُھواں، مِرے استخواں
مِرے آنسوؤں میں بجھے ہُوئے مرے استخواں
مِرے نقش گر، مِرے نقشِ جاں

اسی ریگِ دشتِ فراق میں رہے منتظر ___ ترے منتظر
مِرے خواب، جن کے فشار میں
رہی میرے حال سے بے خبر
تری رہگزر
تری رہگزر کہ جو نقش ہے مِرے ہاتھ پر
مگر اس بلا کی ہے تیرگی
کہ خبر نہیں مرے ہاتھ کو مِرے ہاتھ کی

وہ جو چشم شعبدہ ساز تھی وہ اُٹھے اگر
مرے استخواں میں ہو روشنی
اُسی ایک لمحۂ دید میں تری رہگزر
میری تیرہ جاں میں چمک اُٹھے
مرے خواب سے ترے بام تک
سبھی منظروں میں دمک اُٹھے
اُسی ایک پل میں ہو جاوداں
مری آرزو کہ ہے بے کراں
مری زندگی کہ ہے مختصر
یہ جو ریگِ دشتِ فراق ہے یہ رُکے اگر — !

تُم

تُم جس خواب میں آنکھیں کھولو

اس کا رُوپ امر

تُم جس رنگ کا کپڑا پہنو

وہ موسم کا رنگ

تُم جس پھُول کو ہنس کر دیکھو

کبھی نہ وہ مُرجھائے

تُم جس حرف پہ اُنگلی رکھ دو

وہ روشن ہو جائے

لفظِ پسِ لفظ

کس قدر لفظ ہیں
جو ہم بولتے ہیں ، رولتے ہیں
کون سا لفظ ہے کھوے گا جو درِ معنی کا ،
اس کا پتہ کون کرے !
تُم تو خوشبو ہو، ستاروں کی گزرگاہ ہو تم !
تُم کہاں آؤ گے اس دشتِ پُراسرار کی پہنائی میں !
کیسے اُترو گے تمناؤں کی گہرائی میں !

رہ گیا مَیں — !

سوائے جانِ وفا
مَیں تو جو کچھ ہوں تمُھارے ہی خمِ چشم سے ہوں
تم ہی جب لفظِ پسِ لفظ سے آگاہ نہیں
کِس طرح سحرِ مفاہیم کا دروازہ کھُلے !
لفظ کی کوکھ میں تاثیر کہاں سے اُترے

تم مِرے ساتھ ہو، ہمراہ نہیں !
کون سے خواب کے جگمگ میں نہاں ہیں ہم تم !
کیسے گردابِ تمنّا میں رواں ہیں ہم تم !
لفظ کے پار جو دیکھیں تو کوئی راہ نہیں
اور تم لفظِ پسِ لفظ سے آگاہ نہیں ۔

محبّت کی ایک نظم

اگر کبھی میری یاد آئے
تو چاند راتوں کی نرم دل گیر روشنی میں
کسی ستارے کو دیکھ لینا
اگر وہ نخلِ فلک سے اُڑ کر تمھارے قدموں میں آگرے تو
یہ جان لینا ، وہ استعارہ تھا میرے دل کا ،
اگر نہ آئے . . . .
مگر یہ ممکن ہی کس طرح ہے کہ تم کسی پر نگاہ ڈالو
تو اُس کی دیوارِ جاں نہ ٹوٹے
وہ اپنی ہستی نہ بھول جائے !

اگر کبھی میری یاد آئے
گریز کرتی ہوا کی لہروں پہ ہاتھ رکھنا
مَیں خوشبوؤں میں تمھیں ملوں گا۔
مجھے گلابوں کی پتّیوں میں تلاش کرنا
مَیں اوس قطروں کے آئنوں میں تمھیں ملوں گا۔

اگر ستاروں میں، اوس قطروں میں، خوشبوؤں میں، نہ پاؤ مجھ کو
تو اپنے قدموں میں دیکھ لینا
مَیں گرد ہوتی مسافتوں میں تمھیں ملوں گا۔
کہیں پہ روشن چراغ دیکھو تو جان لینا
کہ ہر پتنگے کے ساتھ مَیں بھی بکھر چُکا ہوں
تم اپنے ہاتھوں سے اِن پتنگوں کی خاک دریا میں ڈال دینا
مَیں خاک بن کر سمندروں میں سفر کروں گا۔
کِسی نہ دیکھے ہُوئے جزیرے پہ رُک کے تم کو صدائیں دُوں گا
سمندروں کے سفر پہ نکلو تو اُس جزیرے پہ بھی اُترنا۔

جو بھی کچھ ہے محبّت کا پھیلاؤ ہے

جو بھی کچھ ہے محبّت کا پھیلاؤ ہے
تیرے میرے اَبد کا کنارا ہے یہ
استعارہ ہے یہ

روپ کا داؤ ہے
پیار کا گھاؤ ہے
جو بھی کچھ ہے محبّت کا پھیلاؤ ہے

صبح دم جس گھڑی، پھُول کی پنکھڑی
اوس کا آئنہ جگمگانے لگا
ایک بھنورا وہیں، دیکھ کر ہر کہیں
شاخ کی اوٹ سے سر اُٹھانے لگا
پھُول، بھنورا، تلاطم ہے، ٹھہراؤ ہے
جو بھی کچھ ہے محبت کا پھیلاؤ ہے

خواب کیا کیا چُنے، جال کیا کیا بُنے
موج تھمتی نہیں، رنگ رُکتے نہیں
وقت کے فرش پر، خاک کے رقص پر
نقش جمتے نہیں، ابر جھکتے نہیں
ہر مُسافت کی دُوری کا سمٹاؤ ہے
جو بھی کچھ ہے محبت کا پھیلاؤ ہے

بازگشت

ایسی ہی سرد شام تھی وہ بھی ،
جب وہ مہندی رچائے ہاتھوں میں
سُرخ آنچل میں مُنہ چھُپائے ہوئے
اپنے خط مجُھ سے لینے آئی تھی ۔

اُس کی سہمی ہوئی نگاہوں میں کتنی خاموش التجائیں تھیں !
اُس کے چہرے کی زرد رنگت میں کتنی مجبوریوں کے سائے تھے !
میرے ہاتھوں سے خط پکڑتے ہی
جانے کیا سوچ کر اچانک وہ
میرا شانہ پکڑ کے روئی تھی

اُسکے یاقوت رنگ ہونٹوں کے، کپکپاتے ہُوئے کناروں پر
ثبت بیتے ہوئے زمانے تھے،
سینکڑوں اَن کہے فسانے تھے،

سَرد شاموں میں آج بھی اکثر
اُس کی رُخصت کا بے صدا منظر، میری آنکھوں میں جِھلملاتا ہے
ایک لمحہ حنائی ہاتھوں سے مجھ کو اپنی طرف بُلاتا ہے،

ایسی ہی سَرد شام تھی وہ بھی ۔

ناشناس

وہ چنچل البیلی لڑکی میری نظمیں یوں پڑھتی ہے
جیسے اُن نظموں کا محور
اُس کی اپنی ذات نہیں ہے ،
(یعنی اتنی سُندر لڑکی اور کوئی بھی ہو سکتی ہے!)
جیسے اُس کو علم نہیں یہ ساری باتیں، اُس کی ہیں
ساری گھاتیں اُس کی ہیں
ہر آہٹ ہے اُس کی آہٹ، سب سائے ہیں اُس کے سائے
سارے محمل اُس کے ہیں
ہر خوشبو ہے اُس کی خوشبو، سب چہرے ہیں اُس کے چہرے
سارے آنچل اُس کے ہیں
جیسے اُس کو علم نہیں ہے اُس لڑکی کے سارے کام
سارے نام اُسی کے ہیں

ہر کھڑکی ہے اُس کی کھڑکی سارے بام اُسی کے ہیں
اُس لڑکی کے نام سے میں نے جو کچھ اپنے نام لکھا ہے
اُس سے ہی منسوب ہُوا ہے
(شاید میرا وہم ہو لیکن مَیں نے یہ محسوس کیا ہے)
جب مَیں نظم سُناتا ہوں وہ آنکھ چُرانے لگتی ہے
مُجھ سے نظریں مل جائیں تو وہ شرمانے لگتی ہے
کُچھ لمحے وہ چنچل لڑکی گُم سم سی ہو جاتی ہے
لیکن تھوڑی دیر میں پھر سے پتّھر کی ہو جاتی ہے
جیسے میری نظم کی لڑکی ——

میں اُسے دیکھ کے حیران ہُوا پھرتا ہُوں

میں اُسے دیکھ کے حیران ہُوا پھرتا ہوں ،
وُہی گاتی ہُوئی آنکھیں وُہی اندازِ کلام
وُہی گلنار تبسم سے مہکتا چہرہ
وُہی خوش رنگ خرام ،
نرم لہجے میں ترنّم کی وہی گُل کاری
جیسے وہ کل کی گئی آج چلی آئی ہو
جیسے سب جاگ کے کاٹی ہوئی کالی راتیں
سَرد کمرے میں ٹھٹھرتی ہوئی سوچیں ، یادیں
رات بھر روئی ہُوئی آنکھ سے بھیگے تکیے
اور تالُو سے چمٹے ہُوئے کڑوے لمحے ،
(میرے بھٹکے ہُوئے خوابوں کے تراشید تھے !)
میں نے سوچا تھا گزرتے ہوئے کڑوے لمحے
اُس کے تالُو سے بھی چمٹے ہوں گے !

اُس کے تکیوں پہ بھی میری یادیں
اشک بن بن کے ٹپکتی ہوں گی !
سرد راتوں میں سمِ تنہائی
اُس کی نیندوں کو بھی کھاتا ہوگا !
اُس کی آنکھوں میں مگر درد کا سایہ بھی نہ تھا
(جیسے وہ گزرے ہوئے وقت سے گزری ہی نہ تھی)
جیسے اُس نے مجھے چاہا بھی نہ تھا

مجھ کو یوں سامنے پاکر وہ ہراساں نہ ہُوئی
میرے بے ربط سوالوں سے پریشاں نہ ہُوئی
اپنے مانوس تبسّم میں ترنّم بھر کر
مُجھ سے چلتے ہُوئے بولی "ہلو
شاعرِ وقت کہو، کیسے ہو"
مَیں اُسے دیکھ کے حیران ہُوا پھرتا ہوں۔

رابطے

ہاں ابھی سوچ لے
فیصلوں کا سفر
لفظ کی نرم چھاؤں میں کٹتا نہیں ،
اور سُن
فیصلوں کی ندامت سے تکلیف دہ کوئی بھی دُکھ نہیں ،
جتنے خدشے مِرے ساتھ چلنے میں ہیں
اس دوراہے پہ رُک
اور انھیں اپنی آنکھوں میں ترتیب دے ،

جان لے ،
وقت کے دشتِ بے برگ میں واپسی کے لیے کوئی رستہ نہیں ،
(منظروں کا نیا پن پُرانی رُتوں کے لیے موت ہے)

جو ہُوا ، میرے چلنے کے آغاز میں

تیرے بالوں کو چھوتے ہُوئے چل رہی تھی اُسی وقت سے
مرچکی ہے کہ اَب
اُس کا ہونا نہ ہونا ترے واسطے ایک ہے
(اور تجھ کو پتہ ہے کسی چیز کی
زندگی اُس تعلق سے ہے جو کسی ذات کے رابطے سے بنے)

ہاں یہی وقت ہے
رابطے اور تعلق کے معنی سمجھ،
جتنے خدشے مرے ساتھ چلتے ہیں ہیں
اِس دوراہے پہ رُک
اور انہیں اپنی آنکھوں میں ترتیب دے
کہ ابھی تیرے ہاتھوں کا ہر رابطہ
تیرے ہاتھوں میں ہے۔

تجدید

اب مرے شانے سے لگ کر کس لیے روتی ہو تم !
یاد ہے ، تم نے کہا تھا ،
" جب نگاہوں میں چمک ہو
لفظ جذبوں کے اثر سے کانپتے ہوں اور تنفّس
اِس طرح اُلجھیں کہ جسموں کی تھکن خوشبو بنے ،
تو وہ گھڑی عہدِ وفا کی ساعتِ نایاب ہے ۔
وہ جو چُپکے سے بچھڑ جاتے ہیں لمحے ہیں مُسافت
جن کی خاطر پاؤں پر پہرے بٹھاتی ہے ۔
نگاہیں دُھند کے پردوں میں اُن کو ڈھونڈتی ہیں
اور سماعت اُن کی میٹھی نرم آہٹ کے لیے
دامن بچھاتی ہے "۔
اور وہ لمحہ بھی تم کو یاد ہو گا
جب ہوائیں سرد تھیں اور شام کے میلے کفن پر
ہاتھ رکھ کر

تم نے لفظوں اور تعلّق کے نئے معنی بتائے تھے، کہا تھا
"ہر گھڑی اپنی جگہ پر ساعتِ نایاب ہے
حاصلِ عمرِ گریزاں ایک بھی لمحہ نہیں
لفظ دھوکہ ہیں کہ ان کا کام ابلاغِ معانی کے علاوہ کچھ نہیں،
وقت معنی ہے جو ہر لحظہ نئے چہرے بدلتا ہے۔
جانے والا وقت سایہ ہے
کہ جب تک جسم ہے یہ آدمی کے ساتھ چلتا ہے،
یادِ مثلِ نطق پاگل ہے کہ اس کے لفظ معنی سے تہی ہیں۔
یہ جسے تم غم، اذیّت، درد، آنسو
دُکھ وغیرہ کہہ رہے ہو
ایک لمحاتی تأثر ہے تمھارا وہم ہے،
تم کو میرا مشورہ ہے، بھُول جاؤ تم سے اب تک
جو بھی کچھ میں نے کہا ہے"
اَب مِرے شانے سے لگ کر کس لیے روتی ہو تم!

ایک لڑکی

گلاب چہرے پہ مُسکراہٹ
چمکتی آنکھوں میں شوخ جذبے
وہ جب بھی کالج کی سیڑھیوں سے
سہیلیوں کو لیے اُترتی
تو ایسے لگتا تھا جیسے دِل میں اُتر رہی ہو ،
کچھ اس یقیں سے بات کرتی تھی جیسے دُنیا ،
اُسی کی آنکھوں سے دیکھتی ہو ،
وہ اپنے رستے میں دل بچھاتی ہوئی نگاہوں سے ہنس کے کہتی ،
" تمھارے جیسے بہت سے لڑکوں سے میں یہ باتیں
بہت سے برسوں سے سُن رہی ہوں ،
مَیں ساحلوں کی ہَوا ہُوں نیلے سمندروں کے لیے بنی ہوں ۔"

وہ ساحلوں کی ہَوا سی لڑکی
جو راہ چلتی تو ایسے لگتا تھا جیسے دِل میں اُتر رہی ہو
وہ کل ملی تو اُسی طرح تھی ۔
چمکتی آنکھوں میں شوخ جذبے ، گلاب چہرے پہ مُسکراہٹ
کہ جیسے چاندی پگھل رہی ہو ،
مگر جو بولی تو اُس کے لہجے میں وہ تھکن تھی
کہ صدیوں سے دشتِ ظلمت میں چل رہی ہو ۔

جُدائی کی پانچویں سالگرہ

جی میں ہے آج کی شب اُس کے لیے جاگ کے کاٹی جائے ،
وہ جو آنکھوں سے پرے
اجنبی دیس کی گُمنام ہَواؤں میں کہیں بیٹھی ہے ،
کیا محبّت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مَیں
اُس کے چہرے کو خدوخال میں لاکر دیکھوں ،
سچ تو یہ ہے کہ مجُھے یاد نہیں ، اُس کی جبیں کیسی تھی ؟
ہونٹ کیسے تھے ، بدن کیسا تھا ، آنکھیں کیا تھیں !
بس یہی یاد ہے وہ جیسی نظر آتی تھی
اُس سے کہیں اچھی تھی

(یہ مہ وسال کا طوفان بہت ظالم ہے
وہ اگر پاس بھی ہوتی تو کسے علم ہے کیسی ہوتی !)

یوں تو ہر رات مِرے دل پہ گراں کٹتی ہے

پھر بھی اے بھُولے ہُوئے ، تُو ہی بتا

غم کی زنجیر بھلا

جاگنے ، سوچتے رہنے سے کہاں کٹتی ہے !

یہ جو آہٹ سی ابھی نکہتِ گُل کی طرح پھیلی ہے

تیرے قدموں کی صدا لگتی ہے

جب کبھی کوئی جہازِ یاد کی شمع لیے غم کی بے چین ہواؤں سے گزرتا ہے تو دِل

شامِ فرقت کے تصوّر سے لرز اُٹھتا ہے

شامِ فرقت ! جو حقیقت ہے مگر خواب نُما لگتی ہے

چاند جب ابر کے ٹکڑوں میں سفر کرتا ہے تو یوں لگتا ہے

میں بھی اِک ابر کا ٹکڑا ہوں جِسے ترا وصال

ایک لمحے کی رفاقت میں مِلا ،

اے مِرے گزُرے ہُوئے چاند ! مجھے تیرا وصال

تیرا ایک لمحہ وصال

دائمی ہجر کے اندوہِ مسلسل کے عوض بار نہیں !

اے مجھے ابر کے ٹکڑے کی طرح چھوڑ کے جانے والے

تیرے بخشے ہُوئے لمحے کے عوض

کیا مجھے دینا پڑا ، اس سے سروکار نہیں -

پانچویں سال گرہ آج جُدائی کی مناؤں شب بھر

شامِ فرقت کی طرح اشک بہاؤں شب بھر

پھر ائرپورٹ کی ریلنگ پہ ٹِکا کر کہنی
تیری رخصت کا سماں دھیان میں لاؤں شب بھر
تُو جو روتی ہُوئی آنکھوں سے پَرے
اجنبی دیس کی گُمنام ہواؤں میں کہیں بیٹھی ہے ۔

آخری بوسہ

میرے ہونٹوں پہ اُس کے آخری بوسے کی لذت ثبت ہے
وہ اُس کا آخری بوسہ
جو مستقبل کے ہر اک خوف سے آزاد
اِک روشن ستارا تھا
گزُرتی رات کے ننگے بدن پر تل کی صُورت قائم و دائم
ہمیشہ جاگنے والا ستارا
مَیں جسے اِس آگ برساتے ہوئے سُورج کے آگے
جگمگاتا دیکھ سکتا ہُوں ۔

وہ اُس کا آخری بوسہ
جو اِس نفرت بھری دُنیا میں
اِک خوشبو کا جھونکا تھا
بکھرتی پتّیوں میں موسمِ گل کے اشارے کی طرح

اِک ڈولتی خُوشبو کا جھونکا
مَیں جسے اِس حبس کے کالے قفس کی تیلیوں سے
مُسکراتا دیکھ سکتا ہُوں۔

وہ اُس کا آخری بوسہ
جو ان مرتی ہوئی صدیوں میں
اِک بے اَنت لمحہ تھا
تلاطم میں کسی ساحل کی پہلی دید سا
اَنمول اور بے اَنت لمحہ
مَیں جسے اشکوں کی اِس دیوار میں
رخنے بناتا دیکھ سکتا ہوں
مرے ہونٹوں پہ اُس کے آخری بوسے کی لذت ثبت ہے
وہ اُس کا آخری بوسہ جو میں اپنے بدن میں
سانس صُورت آتا جاتا دیکھ سکتا ہُوں
لہو کی خامشی میں سرسراتا دیکھ سکتا ہُوں

گواہی

اِس سے پہلے کہ یہ ساون کی جھڑی تھم جائے
جتنے اقرار کے الفاظ ہیں کہہ دو مُجھ سے
بھیگتے پیڑ ہیں، مَیں ہوں، تم ہو
اِس برستے ہُوئے بادل کی طرح
لفظ اگر مُڑ کے نہ آئے بھی تو کیا!

بھیگتے پیڑ کسے جا کے گواہی دیں گے!!

انکشاف

نہ وعدہ ہے کوئی تم سے، کوئی رشتہ نبھانے کا
نہ کوئی اور ہی دِل میں، تہیہ یا ارادہ ہے!
کئی دِن سے مگر دل میں
عجب اُلجھن سی رہتی ہے!
نہ تُم اِس داستاں کے سرسری کردار ہو کوئی
نہ قِصّہ اِتنا سادہ ہے!
تعلق جو میں سمجھا تھا کہیں اُس سے زیادہ ہے!!

سب سے اچھّے لفظ

مَیں صُبح و شام لکھتا ہُوں
زمیں پر جس قدر اچھّی زبانیں بولی جاتی ہیں
مَیں اُن سے حرف چُنتا
اور تمُھارا نام لکھتا ہُوں

ایک پل

آہستگی سے گھٹتی ہُوئی سہ پہر کی دُھوپ
دل میں اُتر رہی ہے کسی خواب کی طرح
نیلے فلک پہ اَبر کے ٹکڑے کہیں کہیں
لرزاں ہیں دِل کے ساز پہ مضراب کی طرح

صحنِ چمن میں ڈولتے رنگوں کے درمیاں
ہے ایک بے قرار سی خوشبو رُکی ہوئی
ٹھہرے ہوئے سے وقت کی سرگوشیوں کے بیچ
تتلی کوئی ہے پھُول کے لب پر جھکی ہُوئی

پتّے صبا کے پاؤں کی آہٹ کے مُنتظر
شاخوں کے درمیاں کوئی حیرت رواں سی ہے
بیٹھی ہے یوں وہ گھاس پہ پھُولوں کے رُوبرو
آنکھوں کے آس پاس کوئی کہکشاں سی ہے

چہرے پہ دُھوپ چھاؤں کا میلہ لگا ہُوا
شانوں پہ بے دریغ سے گیسو کھُلے ہوئے
قوسِ قزح نے اپنا خزانہ لُٹا دیا
رنگت میں اس کی رنگ ہیں سارے گھُلے ہوئے

آہٹ پہ میرے پاؤں کی، دھیرے سے چونک کر
دیکھا ہے اُس نے مُڑ کے مجھے اِس ادا کے ساتھ
پھیلی ہے جسم و جاں میں عجب ایک سرخوشی
خوشبو سی کوئی اُڑنے لگی ہے، ہَوا کے ساتھ

کہتا ہے دِل کہ اُس سے کوئی بات کیجیے
لمحہ یہی، بیانِ غمِ آرزو کا ہے!
ایسا نہ ہو کہ سحر یہ موسم کا ٹوٹ جائے
اُس کم سخن سے وقت یہی گفتگو کا ہے

محبّت کی اپنی الگ ہی زباں ہے

محبّت سے خِرد مندی اگر مشروط ہوتی تو،
نہ مجنوں دشت میں جاتا،
نہ کوئی کوہکن، عشرت گہِ خُسرو سجانے کو
کبھی تیشہ اُٹھاتا اور،
نہ کوئی سوہنی کچّے گھڑے پہ پار کرتی
چڑھتے دریا کو
نہ تُم برباد کرتے اِس طرح میری تمنّا کو!
نہ مَیں الزام دیتا اپنی ناکامی پہ دُنیا کو!
محبّت سے خِرد مندی اگر مشروط ہوتی تو — !

معجزہ

محبت اور خواہش میں کئی بے نام رشتے ہیں
مگر جو غور سے دیکھیں
تو دونوں میں بہت سے فاصلے بھی اس طرح موجود ہیں جیسے
سمندر ایک ہوتا ہے

مگر اُس کے کنارے، ایک دُوجے سے سراسر
اجنبی اور مختلف رستوں کو چھوتے ہیں
سو ایسا ہے
سمے کے اِس سمندر میں
جہاں ہر شے بدلتی ہے
وہاں ہم تُم بھی بدلے ہیں، (بدلنا تھا)
کہ رشتے بھی ہمارے عکس کی صُورت
بہت آہستگی سے اِس طرح کروٹ بدلتے ہیں
بسا اوقات بستر پر پڑی چادر پہ سلوٹ تک نہیں پڑتی
نہ آنکھوں میں سفر کرتے پرانے رنگ ہی تبدیل ہوتے ہیں
نہ باتوں کے تسلسل میں کوئی دیوار آتی ہے،

بس اِتنا ہے
کہ خواہش کی بندھی مٹھی سے وہ جو ریت سی پل پل
پھسلتی ہے اُسی کے بیچ میں شاید وہ جذبہ بھی کہیں ہوتا ہے
جس کو پیار کہتے ہیں،
محبّت نام ہے جس کا!
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے
ہمیں خُود اپنے ہاتھوں سے پھسلتی ریت کی
ریزش کا اندازہ نہیں ہوتا
مگر وہ گرتی رہتی ہے،

کبھی ہم اُس کو پھر سے جمع کرنے اور اُٹھانے کے لیے
کوشش بھی کرتے ہیں
مگر دن رات کی سرکش ہوائیں
اِس قدر مٹّی اُڑاتی ہیں کہ کچُھ بھی ہو نہیں پاتا
یہ دِل فریاد تو کرتا ہے لیکن رو نہیں پاتا،
تو وہ آنسو،
کہ جن کو اِس پھسلتی ریت میں بکھری محبت کو
دوبارہ زندگی دینا تھا اور شاداب کرنا تھا،
نہیں بہتے۔
وہی آنکھیں کہ جن میں ہر گھڑی شمعیں سی جلتی تھیں
اُنہی چہروں پہ ہوتی ہیں مگر اُن میں
محبت اور تعلق کی پُرانی لَو نہیں ہوتی۔
زمانہ، اُن کے اندر سے گزُر کر خود تو جانے کس طرف جاتا،
کہاں بِسرام کرتا ہے
مگر اُس کے، غبارِ راہ میں اُلجھے ہُوئے رستے
کئی چہرے بدلتے ہیں
محبّت کرنے والے شخص اور ان کی محبت بھی
بدلتے وقت کی یلغار سے بچنے کی خاطر اِک
نئی صُورت میں ڈھلتے ہیں،
وفا، ہارے ہوئے میداں سے جو پرچم اُٹھاتی ہے

انھیں لشکر نہیں ملتا

گزرتے وقت کے آشوب میں چہرہ بدلتا ہے
تو پھر پیکر نہیں ملتا

سو جانِ جاں، اگر ہم تم
بدلتے وقت کی اِس تیز آندھی میں ابھی تک ایک ہیں
اور ایک دُوجے کے لیے بے چین رہتے ہیں
تو شاید یہ ہمارے بخت کی خُوبی، ہماری خوش نصیبی ہے
کہ ہم دونوں، گزرتے وقت کی سرکش روانی میں
بہے، بھٹکے تو ہیں لیکن
ہمارے ساحلوں کا رُخ کسی لمحے نہیں بدلا
یہ حُسنِ اتفاق ایسا ہے جو قسمت سے ملتا ہے
بہت کڑوا سہی لیکن یہی سب سے بڑا سچ ہے
کہ جو لمحہ گزُر جائے
(وہ کتنا بھی مقدس، قیمتی یا خوبصورت ہو!)
کبھی واپس نہیں آتا،
محبت اور خواہش اور ان کے درمیاں پھیلے ہُوئے
بے نام رشتے بھی، اُنہی چیزوں میں شامل ہیں
جنھیں یہ وقت کا دریا
ہمارے چاہنے، ناں چاہنے سے بے نیاز و بے خبر ہو کر
پُرانی ڈائری، پچھلے کلنڈر کی طرح تبدیل کرتا ہے

اِسے اِک مُعجزہ کہیے
کہ خواہش کے سفر میں ہم نے جتنے موڑ کاٹے
جس قدر رہوار بدلے ہیں،
وہ سب اِک ساتھ بدلے ہیں،
نہ گِرتی ریت بدلی ہے نہ اپنے ہاتھ بدلے ہیں ۔
اسے اِک معجزہ کہیئے !

کِس کو معلوم تھا؟

یُونہی چلتے ہُوئے راستوں میں کئی ہم سفر جو ملے
اور بچھڑتے گئے
آتے جاتے ہوئے موسموں کی طرح
آپ ہی اپنی گردِ سفر ہو گئے
نہ کبھی میں نے پھر مُڑ کے دیکھا انھیں اور نہ سوچا کبھی
وہ کہاں کھو گئے
جو گئے، سو گئے

پھر یہ کیسے ہُوا !

یوں ہی اِک اجنبی ، دیکھتے دیکھتے

دِل میں اُترا ، نظر میں سما سا گیا

اور دھنک رنگ جذبے جگا سا گیا

جیسے بادل کوئی ، بے ارادہ یُونہی ، میری چھت پہ رُکا

اور برسے بِنا اُس پہ ٹھہرا رہا

کیا تماشا ہُوا ، سامنے تھی ندی اور کوئی تشنہ لب

اس کو تکتا گیا اور پیاسا رہا

ایک لمحے میں سمٹے گی یہ داستاں

کِس کو معلوم تھا !

تم ملو گے مجھے اِس طرح بے گماں

کِس کو معلوم تھا !

بارش اور ہم

بارش تھی، ہم تھے اور گھنی ہو رہی تھی شام
تُم نے لیا تھا کانپتے ہونٹوں سے میرا نام

مَیں نے کہا تھا، "آؤ یونہی بھیگتے چلیں
ان راستوں میں دیر تک گھومتے رہیں

میری کمر میں ہاتھ یہ پھُولوں سا ڈال کر
کاندھے پہ میرے رکھے رہو یونہی اپنا سر

ہاتھوں کو مَیں کبھی ، کبھی بالوں کو چُوم لُوں
دیکھو مِری طرف تو مَیں آنکھوں کو چُوم لُوں

پانی کے یہ جو پھُول ہیں رُخ پر کھِلے ہُوئے
اِن میں دھنک کے رنگ ہیں سارے گھُلے ہُوئے

ہونٹوں سے اِن کو چُنتے رہیں خوش دِلی کے ساتھ
تارے ہمیں تلاش کریں، چاندنی کے ساتھ

یُونہی کِسی درخت کے نیچے کھڑے رہیں
بارش کے دیر بعد بھی لپٹے کھڑے رہیں"

تم نے کہا تھا، "آؤ چلیں، رات آگئی
دل جس سے ڈر رہا تھا، وہی بات آگئی

بیتے سَمے کی یاد ہی رستوں میں رہ نہ جائے
یہ دل کہیں وصال کی بارش میں بہہ نہ جائے"

کچھ دیر ایک چُپ سی رہی درمیان میں
گرہیں سی جیسے پڑنے لگی ہوں زبان میں

تم پیچھے ہٹنے والے تھے، جانے کے واسطے
آنکھیں جُھکا رہے تھے، چُرانے کے واسطے

یک دم گِرا تھا پھُول کوئی شاخسار سے
دیکھا تھا تم نے میری طرف اضطرار سے

بارش میں بھیگتے ہُوئے جھونکے ہَوا کے تھے
وہ چند بے گمان سے لمحے، بَلا کے تھے

نشّہ سا ایک چاروں طرف پھَیلتا گیا
پھر اس کے بعد مَیں نے تمھیں کچھُ نہیں کہا

وہ
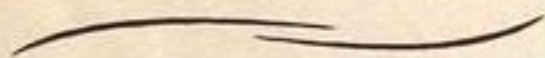
باتیں کرتے ہونٹ اچانک رُک جاتے اور
آنکھیں اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑتی تھیں
دھیان کا رستہ کھو جاتا تھا
محفل میں جس سمت وہ جاتی
کمرے کا وہ حصّہ جیسے یک دم روشن ہو جاتا تھا
جادو گر تھیں آنکھیں اُس کی
پلکیں تھیں اِک راز !
رُوح میں جھل مل کر دیتی تھی
ایسی تھی آواز !

اَن کھیلی بازی کی ہار

تینتیس برس پہلے
ایسی ہی کسی رُت میں
دو خواب سی آنکھوں نے اِک بات کہی مجھ سے
اُس بات کے مطلب کے
اُڑتے ہوئے رنگوں کا مفہوم سمجھنے میں
کیا شام و سحر گزرے!

اُس رَمز کی رِم جھم میں
مَیں رُوح تلک بھیگا
سر سبز ہُوا ایسا
موسم مری گلیوں میں، خُوشبو کی طرح پھیلے
شاداب نظر گُزرے
وہ بات رہی روشن یوُں بھیڑ میں لمحوں کی
جُگ مگ سے ستاروں کی جس طرح قمر گزرے!

تینتیس برس پہلے
اِک شام ہوئی ایسی
جس شام کے پہلو
جھرنوں کا ترنم تھا، پھُولوں کی سواری تھی
کچُھ ایسے لگا جیسے اِس لُطف کا صدقہ تھا
اُس شام سے پہلے تک جو عُمر گزاری تھی۔
وہ سامنے بیٹھا تھا اور اُس کی گھنی پلکیں
جس وقت مری جانب اُٹھنے کو لرزتی تھیں
اِک پَل کے لیے جیسے، موقوف سا ہو جاتا
اِس دل کا دھڑکنا بھی!
لمحوں کا گزرنا بھی!
دریاؤں کا چلنا بھی!

ٹوٹے ہُوئے جُملوں میں، اِک رُکتا ہُوا لہجہ
آواز کے جادُو کا ہر انگ سموجاتا!
تینتیس برس پہلے
باہوں کا یہی حلقہ
(ویران و تہی حلقہ)
اِک چاند کا ہالہ تھا!
زُلفوں کے اندھیرے میں چہرے کا اُجالا تھا!
سانسوں کی تمازت میں،
پھُولوں سا بدن جیسے،
اِک تھان سا ریشم کا جو کھُلتا چلا جائے!
محبُوب سے چہرے پر،
موتی وہ پسینے کے،
ہونٹوں سے کوئی جن کو بس چُنتا چلا جائے!
سازِ دلِ مُضطِر کو
چوڑی کی کھنک جیسے مضراب کی صُورت تھی
چڑیوں کے چہکنے میں
پھُولوں کے مہکنے میں
اِک رنگ کا میلہ تھا، اِک خواب کی صُورت تھی،
اُنگلی سے اگر اُنگلی
چھُو جائے کبھی یُوں ہی
وہ لمس کی لذّت سے سرشار سا ہو جانا،

ہلکی سی کسی رنجش، چھوٹی سی جُدائی سے
نیندوں سے بگڑ جانا تکیوں کو بھگو جانا!
اُس وقت یہ لگتا تھا
دھرتی کے خزانوں میں
امبر کے تلے جو کچھ موجود ہے اپنا ہے
اِس وقت جو آنکھیں ہیں!
اِس وقت جو سپنا ہے!
تا صبحِ اَبد اب تو ان کا ہی زمانہ ہے
سنسار کا ہر کونا چاہت کا ٹھکانہ ہے
ہر نقشِ وفا جیسے رنگوں کی کہانی ہے
خوشبو کا فسانہ ہے!
اِک وصل کے رستے پر ہر خواب روانہ ہے!
اُس خواب کو دیکھے اَب تینتیس برس گزرے
اُس شام کو بیتے اَب اِک عمر ہُوئی جاناں!
(اِس زہر کو پیتے اَب اِک عمر ہُوئی جاناں)
اِس دہر کی وُسعت میں تم جانے کہاں ہو گے!
انسان زمانے کی مُنہ زور ہواؤں میں
اِس طرح بھٹکتے ہیں
آندھی میں اُڑیں جیسے بے سمتِ سفر پتّے،
اِس وقت کی وحشت میں تم جانے کہاں ہو گے!

تینتیس برس پہلے

اِس ہجر کے دریا کے اِک ریت کنارے پر
اِک پَل کے لیے ہم تم کچھُ دیر رُکے، لیکن
اب تک نہ کھُلا مجھُ پر
کِس وقت چھُوا ہم کو اُس موج کے ہاتھوں نے
جس موج کے جادو نے مدہوش رکھا مجھ کو
تُم پار گئے جاناں!
کیا کھیل تھا وہ جس کو، ہم دونوں نہیں کھیلے
اور ہار گئے جاناں!

محبّت ایسا نغمہ ہے

محبّت ایسا نغمہ ہے
ذرا بھی جھول ہوئے میں
تو سُر قائم نہیں ہوتا

محبت ایسا شعلہ ہے
ہَوا جیسی بھی چلتی ہو
کبھی مدّھم نہیں ہوتا

محبت ایسا رشتہ ہے
کہ جس میں بندھنے والوں کے
دِلوں میں غم نہیں ہوتا

محبّت ایسا پودا ہے
جو تب بھی سبز رہتا ہے
کہ جب موسم نہیں ہوتا

محبّت ایسا رستہ ہے
اگر پیروں میں لرزش ہو
تو یہ محرم نہیں ہوتا

محبّت ایسا دریا ہے
کہ بارش رُوٹھ بھی جائے
تو پانی کم نہیں ہوتا

اِس شہر کے باغوں میں وہ پھول نہیں کھلتے

جو بات نہیں کرتے
اُن بولتے رنگوں میں
مَیں نے تمھیں سوچا ہے!
جو دِل سے گزرتے ہیں
اُن اجنبی رستوں میں
میں نے تمھیں دیکھا ہے!

کہنے کے لیے تم سے ،
باتیں تو بہت سی ہیں
الفاظ نہیں ملتے !
جو میری نظر میں ہیں
اِس شہر کے باغوں میں
وہ پھول نہیں کھلتے !

مَیں نے تمھیں جانا ہے
اظہار کے رشتوں سے
اِس طرح جُدا ہو کے !
جِس طرح کوئی بندہ
دھرتی پہ نظر ڈالے
اِک بار خدُا ہو کے !

سب تُمھارے لیے

سب تُمھارے لیے

جانِ جاں یہ جہاں ، یہ زمیں آسماں

یہ مِرے رات دن ، خاک ہیں تیرے بِن

یہ مِری زندگی ، دوستی دشمنی

راستے ، واسطے ، سب تمھارے لیے

سب تمھارے لیے

تُم جو دیکھو تو میرے شب و روز کو
کوئی مطلب ملے
تم جو پُوچھو تو میرے ہر اک حرف کو
کوئی رُتبہ ملے، کوئی مَنصب ملے

تُم جو سوچو مرے واسطے کچُھ کبھی
میں ستاروں کو مٹھی میں بھر لاؤں گا
تم اگر ایک دِن مُجھ کو آواز دو
مَیں جہاں پر بھی ہُوں لَوٹ کر آؤں گا
یہ مرے جسم و جاں میرے شعر و سخن
میری تنہائیاں
بزم آرائیاں
اَب تُمھارے لیے
سب تُمھارے لیے ـــــ

جنگل مُجھ سے بات تو کر

جنگل مُجھ سے بات تو کر
دیکھ کہاں سے آیا ہوں !
سنّاٹا ہے چاروں جانب اور ہوا کی سرگوشی میں
ٹُوٹے ٹُوٹے سے کچھ جملے
رات گئے تک ہونے والی بارش کے قطروں کی صُورت
پتّہ پتّہ ٹپک رہے ہیں ۔

تین برس اور سولہ دن پہلے کی گزُری شام کوئی
یہیں کہیں پر رُکی ہوئی ہے
اور اِک گہرے سایوں والے پیڑ پہ اَب بھی
ہم دونوں کے نام کھُدے ہیں
[اور اِک دِل ہے جس میں کوئی تیر ترازو تب سے ہے]

جنگل، تیرے سامنے اُس دن ہم نے کتنی باتیں کی تھیں
تجھ کو بھی وہ یاد تو ہوں گی!
(سب نہ سہی پر تھوڑی تھوڑی)،
یہ جو ہَوا کی سرگوشی ہے اِس کے ٹوٹے جُملوں جیسی
ابھی ابھی اِس تھمنے والی بارش کے ان قطروں جیسی
تین برس اور سولہ دِن کا اِک اِک لمحہ لایا ہُوں
جنگل مُجھ سے بات تو کر، دیکھ کہاں سے آیا ہُوں!

موسم اچھّا ہے

رنگ دھنک نے بکھرائے ہیں موسم اچھا ہے
گئے زمانے یاد آئے ہیں موسم اچھا ہے

آنکھیں، چہرے، خوشبو، وعدے، آنسو، یادیں، پھول
ایک اِک کر کے لَوٹ آئے ہیں موسم اچھا ہے

شامِ شفق کی سَیر بہانے تم بھی آجاؤ
دوست پُرانے سب آئے ہیں موسم اچھا ہے

بازدید

نہ یوں دُزدیدہ سے مُجھے تمُ دیکھتے جاؤ

مرے دِل میں نہیں ہے تابِ اِن قاتل نگاہوں کی ،

مَیں مرنے سے نہیں ڈرتا

مگر یہ خُوش نما آنکھیں

مُجھے بے موت ماریں گی

کہ اِن کی بات کا رشتہ سمجھ میں کچُھ نہیں آتا

مرے دِل کو نہیں معلوم مطلب ان اشاروں کا

نہ یُوں لرزیدہ پلکوں سے مجھے تم دیکھتے جاؤ

نہ یُوں دُزدیدہ نظروں سے مجھے تم دیکھتے جاؤ

ملاپ

اِک دُوجے میں اُلجھ گئے ہیں تیرے میرے ہاتھ
چلتی جائے ساتھ ہمارے رنگوں کی بارات
رستہ رستہ دمک رہا ہے تاروں کا اِک کھیت
چمک رہی ہے پاؤں کے نیچے خُنک سُنہری ریت
چاروں جانب لپک رہی ہے ایک سُریلی تان
تان بھی ایسی جس کی رَو میں کھنچتی جائے جان
چاند اور سُورج سرگوشی میں باتیں کرتے جائیں
اِک بے نام سے پھیلاؤ میں تارے اُڑتے جائیں
پھیل رہی ہے لمحہ لمحہ بھید بھری یہ رات
اِک دُوجے میں اُلجھ گئے ہیں تیرے میرے ہاتھ

ساحل

تُمھارے نام کے حرفوں سے بہتر حرف ابجد میں نہیں ہیں۔
نجانے کب سے یہ موسم
ستاروں کی طرح دھرتی کے سینے پر فروزاں ہیں
مگر اُن کی نگاہوں نے
تُمھارے وصل کے لمحوں سے بہتر وقت
دیکھا ہے نہ سوچا ہے
ہُوا نے منظروں پر آج تک جو کچھ بھی لکھا ہے
تُمھارے نام لکھا ہے

خلا میں ٹوٹتے تارے، تمھارے بام سے گزریں
تو رُکنے کو مچلتے ہیں
فلک کو چومتے جذبے تمھاری آنکھ سے اُتریں
تو پاتالوں میں گرتے ہیں
تمھارے خواب سے روشن منارے
وقت کے دریائے بے حد میں نہیں ہیں
تمھارے نام کے حرفوں سے بہتر حرف، ابجد میں نہیں ہیں۔

آنکھیں

کیسے اُتروں پار !
بادل بادل تیری آنکھیں دریا دریا خواب
کیسے اُتروں پار !
چاروں جانب پھیل رہی ہے کاجل کی آواز
میرے دل کی ویرانی کو اس کی سُندرتا سے بھر دے
مُجھ پر اپنی پلکیں کر دے !

ارض و سما کے رنگ محل میں جتنے منظر ممکن ہیں
تیری آنکھیں اُن میں ایسے جاگ رہی ہیں

جیسے دریاؤں کے سپنے
جن کی ہر تعبیر کے اندر ایک سمندر بہتا ہے

اے سُندر متوالی آنکھوں والی ناری سُن
اپنی آنکھیں مُوند کے مُجھ سے سپنے میرے لے لے
اِن جھیلوں کے اندر کیا ہے! اس کا بھید بتا
اے سُندر متوالی آنکھوں، کِھلے نینوں والی، تیرے رُوپ ہزار
بس اِتنا بتلادے مجھ کو کیسے اُتروں پار!
بادل بادل آنکھیں تیری دریا دریا خواب،
کیسے اُتروں پار بتا میں کیسے اُتروں پار!

تُم مُجھے اچھّی لگتی ہو

تُم مجھے اچھّی لگتی ہو
بس تم مجھے اچھّی لگتی ہو !
تُم اِتنی سُندر ہو کہ نہیں !
تمھیں ایک نظر جو دیکھے وہ
سُدھ بُدھ بھُولے ، مدہوش رہے
بس تم مجھے اچھّی لگتی ہو ۔

تم ہنس دو تو موسم بدلیں
تم جاگو تو دُنیا جاگے
جھلمل جھلمل منظر ہوں سب
اور نہ سُوجھے کچھ آگے
بس تم کو دیکھیں، دیکھتے جائیں
معلوم نہیں تم اِتنی پیاری
اِتنی سُندر ہو کہ نہیں
بس تم مجھے اچھّی لگتی ہو ۔

محبّت

محبت ایسا دریا ہے
کہ بارش رُوٹھ بھی جائے تو پانی کم نہیں ہوتا